غلام اور لونڈیاں

آپ کسی مسجد کے منبر سے صداقت و حقانیتِ اسلام پر وعظ سنئے یہ بلند آہنگ دعاوی ہمیشہ آپ کو سنائی دینگے کہ

اسلام نے مذہبی آزادی عطا کی۔

اسلام نے دنیا سے غلامی کا نام و نشان مٹایا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے واعظین و مصلحین کے یہ دعوے بہت بڑی صداقت کے حامل ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ اتنے ہی بڑے جھوٹ پر مبنی ہیں۔ آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ ہم نے اتنی بڑی متضاد باتیں کس طرح لکھ دیں؟ لیکن یہ تضاد فی الواقعہ موجود ہے اور ہر سوچنے والے دماغ کے لئے عبرت و موعظت کی ہزار داستانیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ لاریب فیہ کہ اسلام نے نوعِ انسانی کو مذہبی آزادی عطا کی اور اس نے دنیا سے غلامی کے نام و نشان کو مٹایا۔ اسلئے اسلام جتنی بڑی بلند آہنگی سے چاہے متذکرہ صدر دعاوی کو دنیا کے سامنے پیش کرے اسے اس کا حق حاصل ہے اور اس باب میں نوعِ انسانی پر اس کا احسانِ عظیم ہے۔ لیکن کونسا اسلام؟ وہ اسلام جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ جسے ذات رسالتمآبؐ نے دنیا کو دیا اور جو آج بھی قرآن کی دفتین میں محفوظ و مصئون موجود ہے۔ یہ ہے ان دعاوی کی عظیم القدر صداقت کی سند لیکن جس اسلام کو ہمارے اربابِ شریعت پیش کرتے ہیں اگر اس کی طرف سے یہ دعاوی پیش کئے جاتے ہیں تو یہ فی الواقعہ بہت بڑے جھوٹ پر مبنی ہیں اس لئے کہ اسلام نے نہ مذہبی آزادی عطا کی ہے نہ غلامی کو مٹایا ہے۔ اس اسلام نے مذہبی آزادی کا گلا کس طرح گھونٹا، اس کی تصویر آپ "قتلِ مرتد" کے مضمون میں دیکھ چکے ہیں (جو طلوعِ اسلام بابت مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع ہو چکا ہے)۔ زیرِ نظر مقالہ میں یہ دیکھئے کہ غلامی کے بارے میں اُس اسلام کا کیا ارشاد ہے جسے عجمی سازشوں نے وضع کیا اور جسے مُلّا، خدا اور اس کے رسول کی طرف منسوب کر کے، وجۂ ننگِ اسلام اور باعث تذلیلِ انسانیت بن رہا ہے۔

قرآنی اسلام کی تعلیم

پہلے یہ دیکھئے کہ قرآنی اسلام کی اس باب میں کیا تعلیم ہے۔ بعثتِ نبی اکرمؐ کے وقت، ملوکیت، پیشوائیت، سرمایہ داری، نسل پرستی اور قومیت کی طرح غلامی بھی دنیا میں ایک مسلّمہ کی حیثیت سے رائج تھی، مستبد بادشاہوں کو چھوڑئیے۔ مفکرینِ عالم کی یہ کیفیت تھی کہ ارسطو کے پاس ستر غلام تھے اور وہ غلامی کے جواز (بلکہ وجوب) میں ستر دلیلیں پیش کیا کرتا تھا۔ عرب میں غلام اور لونڈیاں ان کے معاشرے کا لاینفک جزو بن چکے تھے۔ باہر غلام کام کاج کرتے تھے اور گھروں میں لونڈیاں جنسی تمتع کے مصرف میں لائی جاتی تھیں۔ ان کے ہاں صدیوں سے یہی روش چلی آ رہی تھی اسلئے، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، غلام اور لونڈیاں ان کے معاشرے کا جزو بن چکے تھے اور ان کی معاشی زندگی کا بیشتر دار انہی پر تھا۔

قرآن ان اغلال وسلاسل کو توڑنے کیلئے آیا تھا جن میں نوعِ انسانی جکڑے چلی آرہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ غلامی جیسی بدترین لعنت کی زنجیروں کو کس طرح روا رکھ سکتا تھا۔ قرآن کا پیغام، شرفِ انسانیت کا پیغام، اور اس کی دعوت، احترامِ آدمیت کی دعوت ہے۔ اس کے خدا کا اعلان ہے کہ ولقد کرمنا بنی آدم "ہم نے فرزندِ آدم کو مستحقِ تکریم بنایا ہے" یعنی انسان بہ حیثیت انسان، واجب التکریم ہے۔ اس کا انسان ہونا اس کے لئے باعثِ شرف ہے اور یہ شرف وتکریم، ہر فرزندِ آدم کیلئے ہے۔ تمام نوعِ انسانی کو "نفسِ واحدہ" سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ہر انسان کے اندر "روحِ خداوندی" پھونکی گئی ہے۔ یعنی ہر انسان، صفاتِ خداوندی کی ممکنات کا حامل ہے۔ اور قرآنی معاشرے کا مقصود ومطلوب فقط یہ ہے کہ ان ممکن صفات کو مشہود بنا کر ان کی کامل نشوونما کردے۔ انسان کے متعلق جس دین کی یہ بنیادی تعلیم ہو ظاہر ہے کہ اس میں انسانی غلامی کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کے سامنے دو اہم سوال تھے:

قرآن کے سامنے دو مراحل تھے

(۱) نزولِ قرآن کے وقت جو غلام اور لونڈیاں عربوں (اور دیگر ممالک) کی معاشرتی اور معاشی زندگی کا جزو بن چکے تھے، ان کیلئے کشود کی راہ۔ اور

(۲) آئندہ کیلئے اس دروازے کا بند کر دینا جہاں سے غلام اور لونڈیاں آتے تھے۔

شقِ اول کے متعلق ظاہر ہے کہ ان تمام غلاموں اور لونڈیوں کو ایک ہی دن میں نابود نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسلام کا منشاء یہ تھا کہ انھیں آزاد کرکے باقی انسانوں کے ہم پہلو کھڑا کردے لیکن اُن معاشرتی اور معاشی حالات میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، یہ مقصد بتدریج حاصل ہوسکتا تھا۔ اگر ان تمام غلاموں اور لونڈیوں کو (جو اس وقت موجود تھے) آنِ واحد میں آزاد کرکے چھوڑ دیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ وہاں کے معاشرے میں سخت انتشار واقعہ ہوجاتا بلکہ خود ان غلاموں اور لونڈیوں کیلئے بھی عجیب مشکلات کا سامنا ہوتا اور اکثر وبیشتر حالات میں وہ ان خاندانوں کو چھوڑنا ہی نہ چاہتے جن میں وہ گھُل مِل چکے تھے۔ قرآن نے ان کے متعلق ایسا طریقِ عمل اختیار کیا جس سے وہ آہستہ آہستہ اس آزاد معاشرہ میں جذب ہوتے چلے گئے۔ انھیں حق دیدیا گیا کہ وہ چاہیں تو کچھ فدیہ ادا کرکے پروانۂ آزادی حاصل کرلیں۔ کہیں خود مسلمانوں کو تاکید کردی کہ وہ بعض کوتاہیوں کے کفارے کے طور پر غلاموں کو آزاد کردیں۔ اسی طرح لونڈیوں کو آہستہ آہستہ آزاد عورتوں کا سا درجہ دیدیا۔ جب تک یہ غلام اور لونڈیاں بتدریج جذب نہیں ہوگئے ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیا تاکہ وہ انسانی مراعات سے محروم نہ رہنے پائیں۔ قرآن کریم میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق جس قدر احکام ہیں وہ سب، انہی کی بابت ہیں جو اس وقت اس معاشرے میں، لونڈی اور غلاموں کی حیثیت سے موجود تھے۔ قرآن میں جہاں جہاں ان کا ذکر ہے ان الفاظ میں ہے کہ "ماملکت ایمانکم" جو (بطور غلام اور لونڈی) تمہاری ملکیت میں آچکے ہیں۔ کہیں یہ نہیں کہا کہ "جنھیں تم اس کے بعد لونڈی اور غلام بناؤ"۔ یہ تو ہوا شقِ اول کے متعلق۔ یعنی ان لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق جو ظہورِ اسلام کے وقت عربوں کے معاشرے میں موجود تھے۔

آئندہ کیلئے دروازہ بند

اب رہی شقِ دوم۔ یعنی آئندہ کیلئے غلامی کا دروازہ بند کرنا۔ سو اس کے لئے قرآن نے ایسی فصاحت سے حکم دیدیا کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (اور قرآن کا کونسا حکم ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ بشرطیکہ اسے خالی الذہن ہوکر دیکھا جائے۔ یہ تو ہمارے روایاتی رنگین شیشے ہیں جو اس کی صاف اور شفاف

تعلیم کو بھی رنگدار بنا دیتے ہیں۔

میرے ساقی نے عطا کی ہے مے بے دُرد و صاف   رنگ جو کچھ دیکھئے ہو میرے پیمانے کا ہے

ایام جاہلیت میں غلام اور لونڈیاں جنگ کے قیدیوں کو بنایا جاتا تھا اور بعد میں انھیں فروخت بھی کر دیا جاتا تھا۔ (بعض اوقات بچوں کو جبراً بھی فروخت کیا جاتا تھا لیکن غلاموں اور لونڈیوں کا اصل سرچشمہ جنگ کے قیدی ہی تھا)۔ جنگ کے قیدیوں کو کیا کیا جائے اس کے متعلق سورۂ محمد میں ہے:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔

جب تمہارا مقابلہ کفار سے ہو تو انھیں تہ تیغ کرو۔ یہاں تک کہ جب ان میں مقابلے کی طاقت باقی نہ رہے (ان کا زور ٹوٹ جائے)

تو بقیۃ السیف لوگوں کو باندھ لو۔

یہ ہوئے اسیرانِ جنگ۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان اسیرانِ جنگ کو

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (۴۷/۴)

یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔

سارے قرآن میں اسیرانِ جنگ سے متعلق یہی ایک حکم ہے۔ آپ اس حکم کو دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ اس میں کہیں کسی پہلو سے بھی انھیں غلام بنانے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ یا اس قسم کا گمان بھی گذر سکتا ہے کہ قرآن کا منشا یہ ہے کہ اسیرانِ جنگ کو غلام بناؤ۔ ان کی عورتوں سے جنسی تمتع کرو۔ پھر جی چاہے تو انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دو۔ فروخت ہونے کے بعد وہ نئے خریدار کے غلام بن جائیں اور لونڈیاں اس کے مصرف میں آنے لگ جائیں۔ اور قیامت تک، جب تک ان کے مالک انھیں آزاد نہ کر دیں، وہ نسلاً بعد نسلٍ غلام اور ہر قسم کے انسانی حقوق سے محروم رکھے جائیں۔ غلام کا بیٹا بھی غلام رہے اور ساری عمر ایک پیسے کا مالک نہ ہو سکے (خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے)۔ ذرا سوچئے کہ آیۂ مذکورہ بالا سے کسی صورت میں بھی یہ حکم نکل سکتا ہے؟ قرآن کا حکم بالکل صاف ہے۔ دشمن سے جنگ ہو تو اس صورت میں اسیرانِ جنگ تمہارے قبضے میں آئیں گے۔ یہ جنگ کے قیدی ہوں گے۔ جب تک جنگی مصالح کا تقاضا ہو گا یہ قید میں رکھے جائیں گے۔ اس کے بعد ان کی (DISPOSAL) کا سوال سامنے آئے گا۔ اس لئے قرآن نے دو متبادل صورتیں (ALTERNATIVES) بیان کر دیں۔ یعنی یا فدیہ لیکر (جس میں اپنے قیدیوں کا تبادلہ بھی شامل ہے) یا بطور احسان، ان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ قرآن نے نہ انھیں قتل کرنے کا حکم دیا ہے نہ غلام بنانے کا۔ لیکن ملا کی شریعت کہتی ہے کہ نہیں! خدا کا یہ حکم نامکمل ہے۔ اس کی تکمیل اس اسلام سے ہوتی ہے جسے میں پیش کرتا ہوں۔ اور وہ حکم یہ ہے کہ

ملا کا مذہب

جو لوگ جنگ میں قید ہوں ان کو یا تو احسان کے طور پر رہا کر دیا جائے۔ یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے یا دشمن کے مسلمان قیدیوں سے ان کا مبادلہ کر لیا جائے۔ لیکن اگر یونہی رہا کر دینا جنگی مصالح کے خلاف ہو اور فدیہ وصول نہ ہو سکے اور دشمن اسیرانِ جنگ کا مبادلہ کرنے پر بھی راضی نہ ہو تو مسلمانوں کو حق ہے کہ انھیں غلام بنا کر رکھیں۔ (تفہیمات حصہ دوم ابوالاعلیٰ صاحب مودودی صفحہ ۲۹۳)

مودودی صاحب اپنی تفسیر (تفہیم القرآن) میں اس سے بھی زیادہ وضاحت سے لکھتے ہیں کہ یہ بات حکومت کے اختیار میں ہے کہ جو صورت چاہے اختیار کرے:

> حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے (جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں کو) رہا کر دے۔ چاہے ان سے فدیہ لے۔ چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں اور چاہے تو انھیں سپاہیوں میں تقسیم کر دے اور سپاہی انھیں اپنے استعمال میں لائیں (ص۳۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم تو صرف اس قدر ہے کہ "فاما منا بعد واما فداء" اسیرانِ جنگ کو بطور احسان رہا کر دو یا فدیہ و معاوضہ لیکر۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کا یہ حکم ناقص ہے۔ پورا حکم یوں ہے کہ اسیرانِ جنگ کو چاہے بطور احسان رہا کرو، چاہے فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ اور چاہے انھیں غلام بنا کر رکھو اور ان کی عورتوں کو اپنے مصرف میں لاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ مُلّا کے پورے مذہب کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ خدا کا کوئی حکم مکمل نہیں ہوتا۔ اس کی تکمیل دوسرے مقامات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اس باب میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ

> مولف[ؒ] کی غلطی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انھوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔
>
> (تفہیمات حصہ دوم ص۲۹۲)

اس میں کیا شبہ ہے؟ ایک مسلمان کی اس سے بڑی "غلطی" اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ قرآن کو مکمل ضابطۂ حیات سمجھتا ہے اور زندگی کے قانون اس سے اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے! یہ "غلطی" ہی نہیں مُلّا کی عدالت میں ایسا جرمِ عظیم ہے جس کی پاداش میں ایسے مسلمان کو مرتد قرار دیکر حوالۂ دار و رسن کیا جا سکتا ہے! مسلمان اور یہ کوشش کہ صرف قرآن سے قانون اخذ کر لیا جائے! توبہ۔ توبہ۔ کتنا بڑا بہتان ہے خدا کے خلاف، اور کتنی بڑی جسارت ہے قرآن کے خلاف!! معلوم ایسے مسلمان خدا کے سامنے جا کر کیا جواب دینگے جب وہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میری اس کتاب کو مکمل ضابطۂ قانون سمجھ لیا تھا؟ کیا تم نے میرے متعلق ایسا گمان کیا تھا کہ میں مکمل احکام دے سکتا ہوں؟ کیا تم نے میری اس بات کو فی الواقعہ سچ سمجھ لیا تھا کہ

> وتمت کلمت ربك صدقا وعدلا۔ لامبدل لکلمتہ (۶/۱۱۶)
>
> "تیرے رب کے قوانین صدق اور عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئے۔ ان قوانین خداوندی کو کوئی بدل نہیں سکتا۔"

کیا تمہیں اسرارِ شریعت کے حامل (ملا) بار بار نہیں کہتے تھے کہ خدا کے احکام ناقص ہیں اور اپنی تکمیل کے لئے غیر خداوندی اضافوں کے محتاج ہیں۔ تم اپنی ضد پر اڑے رہے اور ان کی ایک نہ مانی۔ اب کہو تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

ملا کے ذہن میں خدا کا کچھ ایسا ہی نقشہ ہے۔

تضادِ بیان | مودودی صاحب نے یہ کچھ تو حافظ اسلم جیراجپوری صاحب کے جواب میں لکھا لیکن جب کسی نے براہ راست ان سے

[ؒ] مولف سے مراد ہیں علامہ اسلم جیراجپوری جن کی تالیف "تعلیمات قرآن" پر تنقید کے سلسلے میں مودودی صاحب نے یہ بحث چھیڑی تھی کہ اسلام میں غلامی کا حکم موجود ہے اور مولف کی یہ سخت غلطی ہے جو لکھتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کو منسوخ کر دیا ہے۔

دریافت کیا کہ "لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع شہوت رانی ہے اور اسلام اس کے خلاف ہے" تو آپ نے تحریر فرمایا کہ

ان سوالات کے جواب میں پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ حقِ ملکیت کی بنا پر تمتع کی اجازت قرآن مجید کی متعدد آیات میں صریح طور پر وارد ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ اس معاملہ میں بڑی بے باکی کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے اعتراضات کر ڈالتے ہیں کہ یہ شاید "مولویوں" کا گھڑا ہوا مسئلہ ہوگا۔ اور بعض منکرین حدیث اس کو اپنے نزدیک "حدیث کے خرافات" میں سے سمجھ کر زبان درازی کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ایسے سب لوگوں کو آگاہ رہنا چاہیئے کہ ان کا معاملہ "مولویوں" کی فقہ اور محدثین کی روایات سے نہیں بلکہ خود خدا کی کتاب سے ہے۔ (ایضاً ص۳۰)

آپ پہلے اس بیان کو دیکھیئے جس میں مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ "مولف کی غلطی کا اصل سبب یہ ہے کہ انھوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش کی ہے"۔ اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ مولوی کا من گھڑت مسئلہ نہیں۔ خود قرآن کا حکم ہے۔ آپ غور فرمایئے کہ کتنا بڑا کھیل ہے جو دین کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔ یعنی جب مصلحت سمجھی یہ کہہ دیا کہ دین، قرآن ہی کے اندر تھوڑا ہے۔ اس کے ساتھ فقہ اور روایات بھی ضروری ہیں۔ اور جب ضرورت دیکھی یہ کہہ دیا کہ ہم فقہ اور روایات سے سند ہی نہیں لاتے۔ ہم قرآن پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے قرآن سے وہ آیات نقل کر دی ہیں جو ان غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے اور جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

علامہ اسلم صاحب نے اسیرانِ جنگ کے متعلق قرآن کی آیت نقل کر کے لکھا تھا کہ اس سے قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت کہیں نہیں نکلتی۔ آیت اور اس کا ترجمہ یہ تھا۔

فاما منا بعد واما فداء — پھر یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر

اس ترجمہ کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں:

اس کے بعد لفظ منّ قابل غور ہے۔ منّ کے معنی صرف احسان کے ہیں۔ "احسان رکھ کر چھوڑ دو" مترجم کا اپنا اضافہ ہے۔ (ص۳۱)

لیکن مودودی صاحب خود ہی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

اسلام کا قانون یہ قرار پایا کہ جو لوگ جنگ میں گرفتار ہوں ان کو یا تو احسان کے طور پر رہا کر دیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ (ص۲۹)

اور دوسری جگہ

اسلام نے دنیا کے سامنے یہ اصول پیش کیا کہ جو لوگ جنگ میں قید ہوں ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ یا اسیرانِ جنگ سے مبادلہ کر لو۔ یا بطریقِ احسان رہا کر دو۔ (ص۳۱)

یعنی اگر حافظ اسلم صاحب یہ کہیں کہ "احسان رکھ کر چھوڑ دو" تو یہ ان کا اپنا اضافہ ہے۔ اسلام کا قانون نہیں ہے۔ اور جب مودودی صاحب ارشاد فرمائیں کہ "احسان کے طور پر رہا کرو" تو یہ اسلام کا قانون ہے ان کا اپنا اضافہ نہیں ہے۔

جب میں چلوں تو سایہ بھی میرا نہ ساتھ دے جب تم چلو، زمین چلے، آسمان چلے!

قرآن میں احسان کا حکم کہیں نہیں

اس ضمن میں ایک اور چیز بھی بڑی دلچسپ سامنے آتی ہے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

آیت میں منا کا لفظ ہے جس کے معنی احسان رکھنے کے ہیں اور قرآن میں احسان کا حکم کہیں نہیں دیا گیا۔ (ص۲۹۳)

غور فرمایا آپ نے کہ ملا اپنی بات کی پچ میں کہاں تک جا پہنچتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ قرآن میں احسان کا حکم کہیں نہیں دیا گیا۔ یہ اس قرآن کا ذکر ہے جس میں یہ آیت بھی موجود ہے کہ

ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان (۱۶/۹۰)

یقیناً اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ ورنہ جس ملا کی جرأتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ قرآن میں ایسے احکام کی موجودگی میں کہہ دیتا ہے کہ "قرآن میں احسان کا حکم کہیں نہیں دیا گیا" اگر قرآن کہیں اسی کی تحویل میں ہوتا تو معلوم یہ اس کے ساتھ کیا کچھ کرتا!

اس بے بسی میں ذوقؔ یہ عالم بشر کا ہے کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے!

دنیا اس مسئلے کا حل کس طرح کرتی ہے؟

مودودی صاحب بار بار یہ فرماتے ہیں کہ اگر فریق مخالف اپنے قیدیوں کو چھڑائے نہیں۔ اور قیدیوں میں زرِ فدیہ دے کر آزاد ہونے کی استطاعت نہ ہو تو اس صورت میں ان قیدیوں کو کیا کیا جائے! لیکن ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا اس سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انھیں غلام بنا لیا جائے اور ان کی عورتوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا جائے۔ دنیا میں آئے دن جنگیں ہوتی ہیں۔ ان میں قیدی بھی پکڑے جاتے ہیں۔ ان قیدیوں سے متعلق مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ خود ہماری آنکھوں کے سامنے دو مہیب اور عظیم جنگیں ہو چکی ہیں جن میں قیدیوں کی مجموعی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی تھی۔ کیا ان قوموں میں سے کسی کا ذہن بھی اس طرف گیا کہ ان قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر نخاس میں ٹکے ٹکے پر فروخت کرنا چاہئے؟ ان کفار اور مشرکین کا ذہن تو اس طرف نہ گیا لیکن یہ ہمارے مفتیانِ شریعت ہیں (جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ہمارا نظامِ زندگی، انسانوں کا وضع کردہ نہیں، خود خدا کا عطا فرمودہ ہے۔ اور اس کی مثل اور نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی) جب ان کے سامنے یہی سوال آتا ہے تو انھیں اس کے سوا کوئی عملی شکل نظر ہی نہیں آتی کہ ان قیدیوں کو غلام بنا کر فروخت کیا جائے! اور

ان کی عورتوں کو اپنے استعمال میں لایا جائے۔

آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

قرآن اس مسئلہ کا حل صاف بتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب تک تمہارے مصالح کا تقاضا ہو' ان قیدیوں کو قیدیوں کی طرح رکھو۔ اور چونکہ یہ قیدی انسان ہیں' اسلئے ان سے انسانیت کا سلوک کرو' اس کے بعد جب ان کے آزاد کرنے کا سوال سامنے آئے تو تمہیں اجازت ہے کہ ان کے مبادلے میں اپنے قیدی چھڑا لو۔ یا اگر فریقِ مخالف کے ہاں تمہارے قیدی نہ ہوں (یا کم مقدار میں ہوں) تو زرِ فدیہ لیکر آزاد کردو۔ اور یہ بھی اجازت ہے کہ انہیں بطور احسان چھوڑ دو۔ جو صورت مناسب نظر آئے اس کے مطابق عمل کرو۔ حتیٰ تضع الحرب اوزارھا (۴۷) یہاں تک کہ خود جنگ اپنے ہتھیار رکھدے۔ یعنی تمہارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ دنیا سے جنگ کا سلسلہ ختم ہوجائے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ تم جنگ کے قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ آئندہ وہ تمہارے خلاف ہتھیار ہی نہ اٹھائیں۔ اور مخالف قوموں سے اس قسم کا احسان مندانہ سلوک کرو کہ تمہارے سامنے ان کا سرِ تسلیم خود ہی خم ہوجائے۔ یہ تھا قرآن کا منشار۔ لیکن ہمارے ملا کا مذہب یہ ہے کہ جنگ کے قیدیوں کو غلام بناؤ اور ان کی عورتوں سے شہوت رانی کرو' تاکہ دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہوجائے"۔

بالکل درست فرمایا۔ جن لوگوں سے اس قسم کا سلوک ہوگا وہ آئندہ دشمنی پر آمادہ ہی نہیں ہو سکیں گے؟ وہ تو اپنی قوم کے بے دام غلام بن جائیں گے!

چونکہ غلامی کا تصور ہی ایسا ہے کہ اس سے انسان کے احساسِ انسانیت کو ٹھیس لگتی ہے (بشرطیکہ یہ احساس اندھی تقلید کے افیونی اثر سے مفلوج یا مصلحت کوشیوں سے مجوب نہ ہوچکا ہو) اس لئے مودودی صاحب کے پاس اس کے خلاف بہت سے اعتراضات پہنچے۔ ان اعتراضات کو دیکھکر مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

> جنگ میں گرفتار ہونے والے سبایا (لونڈی غلاموں) کے حق میں اسلام نے جو قوانین وضع کئے تھے ان کو سمجھنے میں آج لوگوں کو اسلئے دقتیں پیش آرہی ہیں کہ اس زمانے میں وہ حالات باقی نہیں رہے جن کیلئے یہ قوانین وضع کئے گئے تھے۔ (ص ۳۰۹)

اس اقتباس سے بظاہر ایسا مترشح ہوتا ہے کہ مودودی صاحب بھی وہی بات کہتے ہیں جسے ہم نے شروع میں پیش کیا ہے یعنی یہ کہ قرآن میں "ما ملکت ایمانکم" (لونڈی غلاموں) کے متعلق جو احکام ہیں وہ ان لونڈیوں اور غلاموں کی بابت ہیں جو اس وقت عربی معاشرے میں موجود تھے۔ جب وہ غلام باقی نہ رہے تو یہ احکام بھی ختم ہوگئے۔ (البتہ اس کے بعد اگر پھر کوئی ایسی صورت پیدا ہوجائے۔ یعنی کوئی ایسی قوم اسلام لے آئے جس میں پہلے سے لونڈی غلام موجود ہوں۔ یا خود مسلمانوں کی وہ سلطنتیں جن میں لونڈی اور غلاموں کو روا رکھا لیا گیا تھا' یا آج بھی روا رکھا جاتا ہے۔ مثلاً حجاز کی "مقدس" سرزمین اور وہاں کی "خالص اسلامی" حکومت میں —— پھر قرآن کی طرف رجوع کریں تو اس وقت پھر وہی احکام نافذ العمل ہوجائیں گے جو زمانۂ بعثتِ نبی اکرمؐ میں نافذ ہوتے تھے) لیکن درحقیقت مودودی صاحب یہ احکام اب بھی موجود ہیں اس سے بالکل مختلف بات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آج بھی جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی

عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ تشکیلِ پاکستان کے بعد جب مودودی صاحب نظامِ شریعت کی تنفیذ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان سے (سنہ ۱۹۴۸ء میں) پوچھا گیا کہ

> کیا نظامِ شریعت میں جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنانے کی اجازت ہوگی۔ اور کیا اُن غلام اور لونڈیوں کو فروخت کرنے کا بھی حق ہوگا۔ (ص ۳۲۱)

تو انھوں نے کہا کہ ہاں! نظامِ شریعت میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے وہ حالات بتائے جن میں جنگی قیدی غلام بنائے جاسکتے ہیں اور وہ "دلائل" دیئے جن کی رو سے (مودودی صاحب کے نزدیک) یہ احکام عین مبنی بر حکمت ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ مودودی صاحب سے پھر دریافت کرلے کہ جس نظامِ شریعت کو وہ رائج کرنا چاہتے ہیں اس میں جنگی قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانے کی اجازت ہوگی یا نہیں۔ ان کی تفسیر (تفہیم القرآن) حال میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں جنگ میں قید شدہ عورتوں کو لونڈیاں بنا کر سپاہیوں میں تقسیم کرنے کا حکم مستقلاً موجود ہے۔ (اقتباس اوپر دیا جاچکا ہے تفصیل جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے) اور یہ اس لئے کہ ازمنۂ سلفی کے شاہی درباروں میں وضع شدہ شریعت میں وہ معاشرہ کس کام کا جس میں لونڈیاں ہی نہ ہوں!

اب وہ دلائل ملاحظہ فرمائیے جن کی رو سے غلامی کو عین مطابقِ حکمتِ الٰہیہ قرار دیا جارہا ہے۔ فرماتے ہیں:

غلامی کے حق میں دلائل

> نظامِ شریعت میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت ایسی حالت میں دی گئی ہے[1] جب کہ وہ قوم جس سے ہماری جنگ ہو نہ قیدیوں کے تبادلے پر راضی ہو نہ فدیہ لیکر ہمارے قیدیوں کو چھوڑے اور نہ فدیہ دیکر اپنے قیدی چھڑالے۔ آپ غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس صورت میں جو قیدی کسی حکومت کے پاس رہ جائیں وہ یا تو انھیں قتل کرے گی یا انھیں عمر بھر اس قسم کے انسانی باڑوں میں رکھے گی جنھیں آج کل (CONCENTRATION CAMPS) کہا جاتا ہے اور کسی قسم کے انسانی حقوق دیئے بغیر ان سے جبری محنت لیتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت زیادہ بے رحمانہ ہے۔ . . . اسلام نے ایسے حالات کے لئے جو شکل اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ ان قیدیوں کو فرداً فرداً مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے اور ان کی ایک قانونی حیثیت مشخص کردی جائے۔ (ص ۳۲۲)

سوال یہ نہیں کہ "کوئی حکومت" ان حالات میں جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ سوال یہ ہے کہ نظامِ شریعتِ اسلامیہ کی حامل حکومت ان حالات میں کیا کرے گی۔ کیا ان کے ہاں بھی اس قسم کے (concentration camps) ہوں گے جن میں قیدیوں کو کسی قسم کے انسانی حقوق دیئے بغیر ان سے جبری محنت لی جائیگی؟ کیا اس نظامِ شریعت میں انسانوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہوگی؟ کیا اس میں قیدیوں کو "شاہی مہمان" (state guests) کی صورت میں رکھنے کی کوئی اجازت نہیں ہوگی؟ کیا وہ نظام ایسا ہی ہوگا کہ اس میں جنگی قیدی شکر کریں گے کہ انھیں غلام بنا لیا گیا ہے ورنہ نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا۔ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس نظامِ شریعت میں انسانوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک روا رکھا جائے گا کہ اس سلوک کے

---

[1] اس سے بھی ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک یہ اجازت آج بھی موجود ہے اگر وہ حالات پیدا ہو جائیں جن کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔ طلوع اسلام۔

مقابلے میں غلامی گویا ان کے حق میں بہت بڑا احسان ہوگی! کیا ہی ہوگا وہ نظامِ شریعت جس کے متعلق ہم ساری دنیا کو کہتے چلے آرہے ہیں کہ وہ عرش سے اُترا ہوا ہے؟

پھر یہ دیکھئے کہ بجائے اس کے کہ ہم ان (concentration camps) کی اصلاح کا کوئی طریقہ سوچیں اور دنیا سے کہیں کہ جنگی قیدیوں سے انسانوں جیسا سلوک کرو۔ ہم ان سے کہتے ہیں تو یہ کہ "اسلام" نے اس خرابی کا یہ حل بتایا ہے کہ ان کے مردوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں؟ سبحان اللہ! کیسی "آسمان سے نازل شدہ" اصلاح ہے! انسانیت اس حسنِ سلوک پر ناز کرے گی اور دنیا کے قیدی اس احسانِ عظیم پر سجدہ ریز ہوں گے جب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے کہ ان کی بیویاں، بیٹیاں، بہنیں، ان "مصلحین و مشفقین" کی ہوس رانیوں اور عیش جوئیوں کا شکار بن رہی ہیں۔ وہ شکر کریں گے کہ ان سے جبری محنت نہیں لی جا رہی۔ . . . . صرف ان سے جبری . . . . . کیا جا رہا ہے؟

مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ غلام بنانے سے ان کی قانونی حیثیت مشخص ہو جاتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ قانونی حیثیت کیا ہے؟

(i) غلام اپنی کمائی کے ایک پیسے کا بھی مالک نہیں بن سکتا۔

(ii) غلام کا بیٹا بھی غلام ہوتا ہے (حتیٰ کہ اگر غیر مسلم غلام مسلمان بھی ہو جائے وہ تب بھی غلام ہی رہتا ہے)

(iii) جب مالک کا جی چاہے اُسے، جس کے ہاتھوں جی چاہے فروخت کر دیا جا سکتا ہے۔

(iv) غلام عورت (یعنی لونڈی) سے بلا نکاح جنسی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں۔ اس میں تعداد کا بھی کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔

(v) جس لونڈی سے اس طرح جنسی تمتع کیا جائے، اس کا درجہ "شریف بیبیوں" جیسا نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد پر بھی پرستار زادگی کا داغ رہتا ہے۔

(vi) لونڈیوں کے ساتھ ہم بستری کی صورت میں عزل (withdrawal) بھی کیا جا سکتا ہے اور لواطت بھی (اس کی تفصیل اور سند آگے آتی ہے)

(vii) اور جب جی بھر جائے تو لونڈی کو کسی دوسرے کے پاس فروخت بھی کیا جا سکتا ہے۔

دیکھ لیا آپ نے کہ کتنی بڑی ہے یہ قانونی حیثیت جو غلاموں اور لونڈیوں کو عطا فرمائی جا رہی ہے!

عورتوں پر احسانِ عظیم

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کیلئے، . . . اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو عورت حکومت کی طرف سے جس شخص کی ملکیت میں دی جائے اس کے ساتھ اس شخص کو جنسی تعلقات قائم کرنے کا قانونی حق دیدیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ عورتیں ملک میں بداخلاقی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ بن جائیں۔ (ص ۳۲۳)

یعنی اگر کسی معاشرے میں ایک ایک شخص، دس دس بیس بیس عورتیں سنبھال لے۔ ان کے ساتھ، ان کی مرضی کے خلاف، جنسی تعلقات قائم کرلے۔ پھر جب جی چاہے انھیں کسی دوسرے کی طرف منتقل کردے اور اس کی قیمت بھی اپنی ہی جیب میں ڈالے۔ تو یہ سب کچھ، ما شاء اللہ، پاکیزگی اخلاق میں داخل ہے۔ اور اگر ان عورتوں کو اس طرح آپس میں نہ بانٹا جائے اور نہ ہی اس طرح ان کی خرید و فروخت کی جائے تو وہ سوسائٹی میں "مستقل بداخلاقی" پھیلانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ ہر وہ بداخلاقی جسے مُلا کی بارگاہ سے جواز کا فتویٰ مل جائے، عین اخلاق ہے۔ اس کے سوا "اخلاق" اور "بداخلاقی" کی تعریف (definition) اور کیا باقی رہ جاتی ہے! چنانچہ اس کی مزید تشریح خود مودودی صاحب نے کردی ہے۔ ان پر اعتراض یہ کیا گیا کہ

لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع محض شہوت رانی ہے اور اسلام اس کے خلاف ہے۔ (ص۳۰۷)

نکاح کی ضرورت نہیں

اعتراض سن لیا، اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہے۔

اس میں بظاہر جو کراہت نظر آتی ہے وہ محض ایک وہمی کراہت ہے۔ چونکہ طبیعتیں نکاح کے عام اور معروف طریقے کی خوگر ہو چکی ہیں اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت اور مرد کا صرف وہی تعلق جائز ہے جس میں قاضی صاحب آئیں۔ دو گواہ ہوں۔ ایجاب و قبول ہو۔ خطبۂ نکاح پڑھا جائے۔ اس کے سوا جو صورت ہے وہ محض شہوت رانی ہے۔ لیکن اسلام کوئی رسمی (CONVENTIONAL) مذہب نہیں بلکہ ایک عقلی (RATIONAL) مذہب ہے۔ وہ رسم کو نہیں حقیقت کو دیکھتا ہے۔ نکاح سے ایک عورت جو ایک مرد کیلئے حلال ہوتی ہے تو آخر اسی بنا پر تو حلال ہوتی ہے کہ اللہ کے قانون نے اسے حلال کیا ہے۔ اسی طرح اگر ملک یمین کی بنا پر اللہ کا قانون اسے حلال کرے تو اس میں کراہت کی کونسی بات ہے۔ (ص۳۱۵)۔

لیجئے! معترض صاحب لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع پر ہی چیں بجبیں ہو رہے تھے، مودودی صاحب کے نزدیک اصلاً نکاح ہی غیر ضروری ہے۔ لونڈیوں کی بات تو بعد میں آئے گی۔ اس سے ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔

زید کسی ایسی عورت سے، جس سے قرآن کی رو سے نکاح کیا جا سکتا ہے، عورت کی مرضی سے، تعلقات زناشوئی قائم کرتا ہے۔ وہ دونوں باہمی رضامندی سے اسی طرح رہتے ہیں لیکن نکاح نہیں کرتے۔

سوال یہ ہے کہ کیا شریعت کی رو سے ان کا یہ جنسی تعلق جائز ہوگا یا ناجائز۔ اور ان کی اولاد، حلال کی اولاد قرار پائیگی یا حرام کی۔

مودودی صاحب کے نزدیک یہ تعلقات بالکل جائز ہیں۔ جو لوگ اس قسم کے تعلق (بلا نکاح) کو شرعاً ناجائز سمجھتے ہوں وہ مودودی صاحب سے خود بات صاف کرلیں۔ ہم تو سر دست لونڈیوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے لہذا اپنی بات کو انہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ جنسی حلت و حرمت کے متعلق یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ ہر وہ عورت جسے خدا نے حلال کر دیا ہے از خود حلال نہیں ہو جاتی۔ اس کیلئے ایک اہم شرط اور بھی ہے۔ اور وہ شرط اسی طرح لاینفک ہے جس طرح خدا کی طرف سے حلت کی شرط۔ اور یہ شرط ہے خود عورت کی رضامندی۔ مثلاً خدا نے زید پر اس کے چچا کی لڑکی حلال قرار دی ہے۔ (یعنی قرآن کی رو سے زید کا نکاح اس کی چچیری بہن سے ہو سکتا ہے) لیکن یہ لڑکی محض خدا کے حلال قرار دینے سے زید کے لئے حلال نہیں ہو جاتی۔ اس کے لئے خود اس لڑکی کی رضامندی (کہ وہ زید کی

بیوی بننا چاہتی ہے) بھی لاینفک ہے۔ اگر وہ لڑکی اس پر رضامند نہیں ہوتی تو وہ (خدا کے حلال کرنے کے باوجود) زید پر حرام ہی رہے گی۔ لہٰذا جنسی تعلقات کے جائز ہونے کے لئے دو شرطیں لاینفک ہیں۔

سلہ { اول ـــ اس عورت کو خدا نے حلال قرار دیا ہو۔ اور
دوم ـــ وہ عورت، تعلقاتِ زناشوئی پر رضامند ہو۔ }

اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو وہ تعلقات حرام ہوں گے اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اگر عورت رضامند نہ ہو تو خدا کی حلال کردہ بھی حلال نہیں ہوتی۔

اب یہ سوچئے کہ کیا لونڈی سے تعلقات کی صورت میں یہ دوسری شرط پوری ہوتی ہے؟ کیا لونڈی سے اس کی رضامندی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں؟ (ظاہر ہے کہ اس میں اس کی رضامندی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ جس کے حصے میں آجائے اور جس کے ہاتھوں فروخت ہو جائے اُسے اس سے بہر حال ہم بستر ہونا پڑے گا۔

اب آپ غور فرمائیے کہ دنیا کا کوئی ضابطۂ اخلاق بھی ایسا ہے جو اس قسم کے تعلقات کو جائز قرار دیدے؟ خدا کے ضابطۂ قوانین کو تو چھوڑئیے، کیا یورپ کے ملحدین، کفار و مشرکین کے ہاں بھی اس قسم کے جنسی تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے؟ ان تعلقات کو تو ان لوگوں کے ہاں بھی زنا (RAPE) ہی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن قیامت ہے کہ ایسے تعلقات کو اگر روا رکھا جاتا ہے تو اس دین کے (نام نہاد) پیروؤں کے ہاں جو دنیا میں مکارمِ اخلاق کا بلند ترین ضامن اور عصمت و عفت کا حصن حصین واقع ہوا ہے۔ اور قیامت بالائے قیامت کہ اس زبردستی کے جنسی تعلقات کی اجازت کو منسوب کیا جاتا ہے اس ذات رسالتمآبؐ کی طرف جو دنیا میں پاکیزگئ اخلاق، عفتِ نگاہ اور تطہیرِ فکر و عمل کے سب سے بڑے معلم اور علمبردار تھے! اب اس کے بعد سوائے اس کے کہ انسان اپنا سر پیٹ کر بیٹھ جائے اور کیا کر سکتا ہے۔ غور کیجئے کہ عجم کی ان سازشوں نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا رکھا ہے یعنی وہ باتیں جنھیں ملحدین و مشرکین کے ہاں بھی شرمناک تصور کیا جاتا ہے، وہ ہمارے "مذہب" کا جزو بنا کر رکھدی گئی ہیں اور انھیں خدا اور رسول کی طرف منسوب کیا جاتا ہے!

کوئی حد مقرر نہیں!

اب آگے بڑھئے۔ مودودی صاحب کے سامنے جب یہ اعتراض پیش کیا گیا کہ

اسلامی شریعت میں نکاح کیلئے تو چار کی حد مقرر ہے۔ . . . لیکن لونڈیوں کے لئے سرے سے کوئی حد رکھی ہی نہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت نے چار کی حد مقرر کرنے کے سارے فوائد کو باطل کر دیا۔ اس نے خوشحال

سلہ معروف شرطیں تین ہیں،

(۱) خدا نے اس عورت کو حلال قرار دیا ہو۔

(۲) مرد اور عورت کی باہمی رضامندی ہو۔ اور

(۳) اور اس رضامندی کا اظہار نکاح کی رو سے کیا جائے۔

چونکہ تیسری شرط کو خود مودودی صاحب نے غیر ضروری قرار دیدیا ہے اس لئے ہم ان سے صرف پہلی دو شرطوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

لوگوں کیلئے بے تحاشا عیاشی کا دروازہ کھول دیا اور امراء و رؤسا کیلئے یہ گنجائش نکال دی کہ بے شمار عورتوں کو خرید کر گھروں میں ڈال لیں اور خوب داد عیش دیں۔ یہ کچھ مفروضہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں عملاً یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ (ص ۳۱۹)

تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ

لونڈیوں سے تمتع کے لئے تعداد کی قید اسلئے نہیں لگائی گئی کہ ان عورتوں کی تعداد کا کوئی تعین ممکن نہیں ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آسکتی ہیں بالفرض اگر ایسی عورتوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو جائے تو اس سوسائٹی میں انھیں کھپانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ جبکہ لونڈیوں سے تمتع کیلئے تعداد کا تعین پہلے ہی کر دیا گیا ہو۔ (ص ۳۲۴)

لیکن اگر آپ سے کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ منکوحہ عورتوں کی صورت میں آپ کے ہاں چار تک کی تعداد متعین ہے۔ اور اس کا جواز بھی آپ ہی پیش کرتے ہیں کہ جب عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے تو اس طرح انھیں سوسائٹی میں کھپایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو جائے کہ سوسائٹی میں عورتوں کی تعداد بہت بڑھ جائے تو اس صورت میں آپ کیا کریں گے؟ آپ کی مذکورہ صدر دلیل سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ منکوحہ عورتوں کے باب میں اللہ نے جو آخری حد مقرر کر دی ہے، اس میں (معاذ اللہ) دوراندیشی سے کام نہیں لیا گیا۔ دوراندیشی پر مبنی تو ملا ہی کا قانون ہے جس میں لونڈیوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی بلکہ اصول یہ رکھا گیا ہے کہ

جو ہو چمن میں وفور گل کا، تو اور دامن دراز ہو جا۔

اور اگر (بقول مودودی صاحب) لونڈیوں سے متعلق قانون بھی خدا ہی کا بنایا ہوا ہے تو یہ عجیب چیز ہے کہ منکوحہ بیویوں کی صورت میں تو اس کا خیال نہ رکھا گیا کہ اگر عورتوں کی تعداد اس سے بھی بڑھ گئی تو کیا کیا جائیگا، اور لونڈیوں کے معاملے میں اس کا خاص خیال رکھا گیا؟

ذہنی آوارگی

انسان اپنی ہوس کاریوں کیلئے بھی کیسے کیسے مقدس بہانے تراشتا ہے!! اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں؛

رہا آپ کا یہ شبہ کہ لونڈیوں کی ان گنت تعداد سے تمتع کرنے کی اجازت ذہنی آوارگی کا دروازہ کھولتی ہے اور یہ کہ لونڈیوں کے قابل بیع و شری ہونے کی وجہ سے اس کا امکان ہے کہ مالدار لوگ لونڈیاں خرید خرید کر ایک پورا بیڑہ فراہم کر لیں اور اپنے گھروں کو عیاشی کا اڈا بنا کر رکھ دیں۔ تو یہ اور اس نوعیت کے اکثر شبہات عموماً اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ معاملہ کا ایک ہی پہلو نگاہ کے سامنے ہوتا ہے اور دوسرے پہلو چھپے رہتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ شارع نے اپنا قانون انسانی بھلائی کیلئے بنایا ہے اور اس قانون میں جو سہولتیں اور گنجائشیں رکھی ہیں وہ ان حقیقی ضرورتوں کیلئے رکھی ہیں جو عموماً انسان کو پیش آتی ہیں یا پیش آسکتی ہیں۔ اگر بعض لوگ ان گنجائشوں سے اس قسم کے غلط فائدے اٹھاتے ہیں جن کیلئے درحقیقت شارع نے یہ گنجائش نہیں رکھی تھیں تو یہ ان کی اپنی نافہمی ہے یا شرارت نفس لیکن اس قسم کی انفرادی غلطیوں کے امکان یا وقوع کے ڈر کر قانون میں ایسی تنگی پیدا کرنا جس سے عام لوگوں کی حقیقی ضرورتیں پوری ہونے میں مشکلات واقع ہوں کسی حکیم کا کام نہیں ہو سکتا۔ (ص ۳۲۰)

اسی ضمن میں آپ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

بعد کے زمانے میں امراء و رؤسا نے اس قانونی گنجائش کو جس طرح عیاشی کا حیلہ بنا لیا وہ ظاہر ہے کہ شریعت کے منشا کے خلاف تھا۔ (ص ۳۲۲)

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب قوم میں لونڈیاں دھڑا دھڑ آرہی ہوں۔ ان کی تعداد کی بھی کوئی حد مقرر نہ ہو۔ وہ ایک دوسرے کی طرف منتقل بھی کی جا سکتی ہوں تو پھر وہ کونسی "عیاشی" ہے جسے آپ شریعت کی منشا کے خلاف کہہ سکتے ہیں۔ جسے لونڈی مل جائے (خواہ حکومت کی طرف سے یا قیمتاً) اور "شریعت" اس سے

جنسی تعلقات کی اجازت دیتی ہو۔ تو پھر اس لونڈی سے تمتع، عیاشی کا حیلہ کس طرح بن جائیگا۔ عیاشی کے سامان تو خود فراہم کر دیئے جائیں اور پھر ان سے مستفید ہونے والوں پر الزام دھر جائے۔ موردِ الزام اس سامان عیاشی کو فراہم کرنے والے ہیں یا ان سے متمتع ہونے والے؟ اس ضمن میں مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

> کوئی رئیس اگر عیاشی کرنا چاہے اور قانون کے منشا کے خلاف قانون کی گنجائشوں سے فائدہ اٹھانے پر اتر آئے تو نکاح کا ضابطہ ہی کب اس کے لئے رکاوٹ بن سکتا ہے۔ وہ روز ایک نئی عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے دن اسے طلاق دے سکتا ہے (ص ۳۲۲)

یہ صورت تو اسی "شریعت" کی رو سے ممکن ہے جو ملّا کی خود ساختہ ہے۔ قرآنی شریعت میں طلاق دیدینا ایسا کھیل نہیں کہ نیلام کنندہ کی طرح ایک، دو، تین کہا اور بیوی کو ٹھوکر مار نکال دیا۔ قرآنی طلاق کے لئے کئی مراحل طے کرنے کے بعد عدالت سے فیصلہ لینا ہوگا۔ اس میں یہ مذاق نہیں ہوگا کہ گھر بیٹھے ہی طلاق۔ طلاق۔ طلاق کہا اور معاملہ ختم کر دیا۔

لونڈیوں کا فروخت کرنا

اس کے بعد مودودی صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ لونڈیوں کو فروخت کرنا نہایت ذلت آمیز فعل ہے۔ فرماتے ہیں۔

> اس قسم کے لونڈی غلاموں کے بیچنے کی اجازت دراصل اس معنی میں ہے کہ ایک شخص کو ان سے . . . . فدیہ وصول کرنے، اور فدیہ وصول نہ ہونے تک ان سے خدمت لینے کا جو حق حاصل ہے اس کو وہ معاوضہ لیکر دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ قانون میں یہ گنجائش جس مصلحت سے رکھی گئی ہے اس کو آپ پوری طرح اسی صورت میں سمجھ سکتے ہیں جبکہ کسی دشمن فوج کے سپاہی کو بطور قیدی رکھنے کا آپ کو اتفاق ہوا ہو۔ فوجی سپاہیوں سے خدمت لینا کوئی آسان کام نہیں۔ اور اسی طرح دشمن قوم کی کسی عورت کو گھر میں رکھنا بھی کوئی کھیل نہیں۔ اگر کسی شخص کے لئے یہ گنجائش نہ چھوڑی جاتی کہ جس قیدی مرد یا عورت سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکے اس کے حقوقِ ملکیت کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دے تو یہ لوگ جس کے بھی حوالے کئے جاتے اس کے حق میں بلائے جان بن جاتے (ص ۳۲۳)

سبحان اللہ! کیا دلیل ہے!! یعنی دشمن کے قیدیوں سے کام لینا بہت مشکل ہے۔ اور ان کی عورتوں کا گھروں میں رکھنا بیحد پُرخطر لیکن انہی قیدیوں کو جب غلام بنا لیا جائے تو پھر یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اور جب ان کی عورتوں سے ان کے مردوں کے سامنے، ان کی مرضی کے خلاف جنسی تعلقات قائم کئے جائیں تو اس سے وہ تمام خطرات دور ہو جاتے ہیں جو دشمن قوم کے افراد ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے پیش آ سکتے تھے۔ اس سے فی الواقعہ ان کے جذبات عداوت محبت میں بدل جائینگے۔

اب رہا یہ کہ جب یہ غلام اور لونڈیاں کسی ایک کے لئے وبال جان بن جائیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انہیں دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے۔ تو یہ فروخت کردہ غلام اور لونڈیاں اپنے نئے مالک کے لئے "واقعی" عین راحت بن جائینگے؟ اس سے انہیں دلی اُنس پیدا ہو جائیگا؟ اور اسی طرح جب وہ انہیں تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیگا تو اس نئے مالک سے اور بھی زیادہ محبت ہو جائیگی! ان کی دشمنی تو دراصل پہلے ہی سے تھی جس نے انہیں مفت حاصل کر لیا تھا۔ جنہوں نے دام دیکر خریدا ہو ان سے دشمنی کرتے ہوئے انہیں شرم نہیں آئیگی؟

اگر غیر مسلم بھی یہی کریں تو؟

اب آیئے اس اعتراض کی طرف کہ

غیر مسلم محارب قومیں اگر گرفتار شدہ مسلمان عورتوں کے ساتھ یہی سلوک کریں تو عقلاً اس کے خلاف مسلمانوں کو احتجاج کا کیا حق ہے (ص ۳۰۸)

اس کے جواب میں مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

رہا آپ کا آخری سوال، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال کرتے وقت آپ نے یہ فرض کر لیا تھا کہ دشمن کے قبضے میں جو مسلمان عورتیں جاتی ہونگی ان کو وہ بالکل گھر کی بیٹیاں بنا کر رکھتے ہونگے، کیا آپ کا یہ مفروضہ صحیح ہے؟ اور آپ کا یہ کہنا کہ اس پر ہمیں احتجاج کا کیا حق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تو عورتوں ہی کو نہیں مردوں کو بھی غلام بنا کر رکھنا نہ چاہتے تھے۔ اگر دشمن اسیرانِ جنگ کے تبادلے پر راضی ہوتے تو ہم ان کے ایک مرد یا ایک عورت کو بھی اپنے پاس غلام بنا کر رکھنے پر اصرار نہ کرتے۔ لہذا اگر صدیوں تک دنیا میں غلامی کا رواج رہا اور ایک قوم کی شریف عورتیں لونڈیاں بن بن کر دوسری قوموں کے تصرف میں آتی رہیں تو یہ ہمارے قصور کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کے ذمے دار وہ لوگ تھے جو صدیوں تک اسیرانِ جنگ کے بارے میں کسی مہذب اور معقول رویّے کو اختیار کرنے پر راضی نہ ہوئے (ص ۱۹-۱۸)

یہ عبارت کچھ مبہم سی ہے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب دوسری قومیں ہماری عورتوں کو لونڈیاں بنائینگے تو ہم اُن کی عورتوں کو لونڈیاں کیوں نہ بنائیں! یعنی اسلام کے اپنے اصول کچھ نہیں۔ جو کچھ دوسرے ان سے کریں یہ وہی کچھ ان سے کر لیں۔ بس یہ ہے اصول۔ وہ ان کے ہاں ڈاکے ڈالیں تو اس کے جواب میں یہ بھی ان کے ہاں ڈاکے ڈالنا شروع کر دیں۔ وہ ان سے جھوٹ بولیں تو یہ بھی ان سے جھوٹ بولیں۔ وہ ان سے بے ایمانی (بد دیانتی) کریں تو اس کے جواب میں یہ بھی ان سے بے ایمانی شروع کر دیں۔ وہ ان کی راہ چلتی عورتوں کو چھیڑیں یا اٹھائیں تو یہ بھی ان کی عورتوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں اور انہیں زبردستی اٹھائیں۔ وہ ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنائیں تو یہ بھی ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنائیں! یہ ہوگا مسلمانوں کا اصولِ زندگی اور مسلکِ حیات۔ یہ ہوگا ان کا نمونہ دوسری قوموں کے ساتھ معاملات کے بارے میں! کیسے نادر ہیں یہ اصول اور کس قدر بلند ہے یہ مسلک! یہ اس قوم کا مسلک و مشرب بتایا جا رہا ہے جس کا خدا ان سے کہتا ہے کہ ان مشرکین کے بتوں کو بھی گالی نہ دو مبادا یہ بھی تمہارے خدا کو گالی دیدیں۔ جس کا قرآن ان سے کہتا ہے کہ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا۔ کسی قوم سے تمہاری دشمنی تمہیں کہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو۔ تم ان سے بہرحال اور بہرکیف عدل کرو۔ عدل و انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ وہ اگر ذلیل حرکات پر اتر آئیں تو تم اپنا بلند مقام چھوڑ کر ان کی پست سطح پر نہ آجاؤ۔ تمہیں تو شاھد علی الناس پیدا کیا گیا ہے۔ تمہیں ساری دنیا کے لئے مکارمِ اخلاق اور حسنِ آئین کا نمونہ بننا ہے۔ اگر تم بھی جوشِ انتقام میں انہی جیسی بیہودہ حرکتیں کرنے لگ گئے تو ان میں اور تم میں فرق کیا رہا!!

معترض کا اعتراض

لیکن معترض کا اعتراض ہنوز اپنی جگہ پر ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ آج اقوامِ عالم میں کسی کے یہاں بھی قانون نہیں کہ جنگ کے قیدیوں میں عورتوں سے جنسی تعلقات قائم کر کے ان کی خرید و فروخت شروع کر دی جائے

لیکن (مودودی صاحب کے کہنے کے مطابق) اسلامی شریعت میں یہ شق موجود ہے۔ اب اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ کسی جنگ میں مسلمانوں کی عورتیں دشمن کے ہاں قید ہوں اور ان کی عورتیں مسلمانوں کے ہاں۔ دشمن اپنے قیدیوں کا مبادلہ نہ کرے نہ ہی زر فدیہ دیکر انہیں چھڑائے۔ تو ایسے حالات میں (مودودی صاحب کی شریعت کے مطابق) مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ ان قیدی عورتوں سے جنسی تعلقات قایم کریں۔ معترض کا کہنا یہ ہے کہ ان حالات میں اگر دشمن (مسلمانوں کی طرف سے پہل ہونے کے بعد جیسے وہ اپنی "شریعت" کے مطابق کرینگے) مسلمانوں کی عورتوں سے بھی اس قسم کی حرکت کرنے لگ جائے تو اس صورت میں مسلمانوں کو یہ حق تو نہیں ہوگا کہ وہ دشمن کے اس رویے کے خلاف احتجاج کرسکیں۔ مودودی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ (مودودی صاحب کے انداز فکر اور پیش کردہ مسلک کے مطابق) اس کا جواب واضح تھا کہ اسلام کے قوانین عالمگیر ہیں۔ اور مسلمانوں کی تمام جدوجہد کا ماحصل یہ ہونا چاہئے کہ اسلام کے قوانین ہر جگہ عام ہو جائیں! اور اگر کوئی قوم وہی قانون اپنے ہاں نافذ کرتی ہے جو مسلمانوں کے نظام شریعت میں موجود ہو تو یہ بات مسلمانوں کے لئے باعث مسرت اور وجہ صد افتخار ہوگی۔ لہذا اگر دنیا کی کوئی قوم (مسلمانوں کی طرف سے پہل ہونیکے بعد) ان کی قیدی عورتوں سے اس قسم کی نازیبا حرکت شروع کردیگی، تو مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کے لئے یہ مقام ہزار مسرت و شادمانی کا ہوگا۔ کہ ان کے خدا کا قانون عام ہو رہا ہے اور دنیا کی قومیں (مسلمان ہونے بغیر) اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہوتی جا رہی ہیں۔ بلکہ وہ اسی کو اسلام کے "دین فطرت" ہونے کی ایک دلیل قرار دینگے کہ دیکھو! دنیا نے اسقدر جدوجہد کے بعد غلامی کو مٹایا تھا۔ لیکن چونکہ غلامی "انسانی فطرت" کا تقاضا تھی اس لئے ان قوموں کو دوبارہ اس کی طرف لوٹنا پڑا۔ "خدا" اپنے "دین" کو اس طرح انسانوں سے منواتا ہے! کیسا دلکش ہوگا وہ نظارہ کہ مسلمان، دشمن کی عورتوں سے زبردستی شب بسر کر رہے ہونگے اور دشمن ان کی بہو بیٹیوں کے ساتھ یہ کچھ کر رہا ہوگا۔ اور مسلمانوں کے ہاں خوشی کے شادیانے بج رہے ہونگے کہ خدا کا دین عام ہو رہا ہے۔ اس وقت ابلیس بوریہ بستر باندھ کر اللہ کے ہاں ٹلیا چلا جائیگا کہ اب زمین پر میری ضرورت باقی نہیں رہی۔ میرا مقصد تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔

مودودی صاحب نے لونڈیوں پر بڑا احسان یہ ظاہر فرمایا کہ

> مالک کے تصرف میں آجانے کے بعد ایک عورت اگر صاحب اولاد ہو جائے تو وہ اس خاندان کی ایک فرد بن جاتی ہے، اسکو ام ولد کہا جاتا ہے۔ اسکی اولاد جائز اولاد سمجھی جاتی ہے۔ اور اپنے باپ سے شرعی ورثہ پاتی ہے۔ (ص ۳۱۵)

لیکن کسی اور کو شاید معلوم ہو یا نہ ہو نہ ہو، خود مودودی صاحب کو تو یقیناً معلوم ہوگا کہ "ان کی شریعت" نے یہ تدبیر بھی خود ہی بتادی ہے کہ لونڈیوں سے جنسی تعلقات قایم کئے جائیں اور یہ خدشہ بھی نہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو جائیگی۔ سنئے کہ وہ تدبیر کیا ہے؟

کلیجہ تھامئے!

لیکن اس تدبیر کے سننے سے پہلے، ہمارے درد بھرے دل کی ایک کراہ سن لیجئے۔ طلوع اسلام پر وہ وقت انتہائی کرب اذیت کا ہوتا ہے جب اسے کوئی ایسی بات درج کرنی پڑ جائے جسے دنیا کے سامنے پیش کرنے سے نگاہیں زمین میں گڑ جائیں۔ جس سے دوسروں کی نظروں میں اسلام کی سبکی ہو۔ پھر اس سے بھی زیادہ درد و الم کا وقت وہ ہوتا ہے جب اس قسم کی

باتوں کو "حدیث" کہہ کر درج کیا جائے، کیونکہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی نسبت ذات رسالتمآبؐ کی طرف کی جاتی ہے۔ حضور ختمی مرتبتؐ کی ذات اقدس و اعظم کا مقام اس قدر بلند ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اسے "خلق عظیم" کہہ کر پکارتا ہے اور حضورؐ کے ذکر کو بلند کرنے کا اعلان کرتا ہے (ورفعنا لک ذکرک) اس لئے طلوع اسلام کے صفحات میں کسی ایسی بات کا درج ہونا جس سے اس ذاتِ گرامی (فداہ ابی و امی) کی شان میں ذرا سا بھی طعن پایا جائے، ہمارے لئے قیامت کا حادثہ ہوتا ہے۔ لیکن ہم کیا کریں کہ بعض وقت صورت ایسی واقعہ ہو جاتی ہے کہ اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں رہتا۔ مثلاً اسی غلامی کے موضوع کو لیجئے۔ اگر ہم اس مقام پر فقط اتنا کہہ کر آگے گزر جائیں کہ ہماری کتب روایات میں ایسی ایسی شرمناک باتیں موجود ہیں جن کے تصور سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، تو مُلّا فوراً اعلان کر دیگا کہ "طلوع اسلام بکواس کرتا ہے۔ نبی اکرمؐ کی احادیث مقدسہ اور ان میں اس قسم کی باتیں (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔ اس دریدہ دہن کو شرم نہیں آتی کہ ایسے ایسے اتہامات تراشتا ہے اور پھر انھیں پوری بے حیائی سے حضور رسالتمآبؐ کی طرف منسوب کرتا ہے"۔ چونکہ عوام ان کتب روایات کی حدیثوں سے بے خبر ہوتے ہیں اور یہ بات بھی بڑی معقول نظر آتی ہے کہ ایسی مقدس کتابوں میں اس قسم کی بے حیائی کی باتیں نہیں ہو سکتیں، اس لئے ملا کا یہ حربہ کارگر ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں وہ مقامات جہاں ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ سینے پر پتھر رکھ کر، اس قسم کی مثالیں انہی مقدس کتب روایات سے درج کر دیں تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ان میں فی الواقعہ یہ کچھ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طلوع اسلام نے مُلا کے مذہب کی مخالفت ہی اس لئے شروع کر رکھی ہے کہ اس مذہب سے دنیا میں مسلمان رسوا ہو رہے ہیں — اسلام سخت بدنام ہو رہا ہے۔ اقوامِ عالم میں مسلمانوں کے اسلاف ہدفِ طعن و تشنیع بن رہے ہیں۔ خود حضور رسالتمآبؐ کی اس قسم کی تصویر سامنے آتی ہے جس سے (معاذ اللہ معاذ اللہ) انسان کا خون کھولنے لگ جاتا ہے، اور اس سے بھی آگے، خود خدا کا تصور ایسا قائم ہوتا ہے جو انسان کے دورِ جہالت و بربریت کا پیداوار دکھائی دیتا ہے۔ اگر کبھی طلوع اسلام کے صفحات پر اس قسم کی روایات نقل کر دی جاتی ہیں جو قارئین کے ذوقِ لطیف پر گراں گزرتی ہیں تو محض اس لئے کہ ان کے درج کئے بغیر یہ بات کبھی سمجھ میں ہی نہیں آسکتی کہ جس مذہب کو مُلّا اسلام کے نام سے پیش کرتا ہے کیا وہ فی الواقعہ ایسا ہے جیسا طلوعِ اسلام کہتا ہے؟

یہ ہے وہ ضرورت جس کی وجہ سے طلوعِ اسلام کو بعض اوقات اس تلخ اور ناگوار فریضہ کو سرانجام دینا پڑتا ہے۔ مُلّا کہتا ہے کہ طلوعِ اسلام کو اس "گند اچھالنے" میں مزہ ملتا ہے۔ ہم اس کی آنکھوں میں وہ بینائی کہاں سے لاکر رکھ دیں جس سے وہ دیکھ سکے کہ ہمارا سینہ کتنے کتنے بڑے گہرے زخموں سے چھلنی ہو رہا ہے۔ اگر اسے کہیں اس قسم کی بینائی نصیب ہو جائے تو وہ پھر دیکھ سکے کہ ہم کیا کہتے ہیں اور کیوں ایسا کہتے ہیں۔

کیا جانئے کیا کہتا، کیا دیکھتا کیا کرتا ۔۔۔ زاہد کو بھی گر دیتا مجھ جیسی خدا آنکھیں

اس عرضداشت کو سامنے رکھ کر اب اصل موضوع کی طرف آیئے۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ خود مُلّا کی شریعت نے اس کی بھی تدبیر کر دی ہے

صحیح بخاری کی روایات

کہ لونڈیوں کے ساتھ جنسی تعلقات بھی قائم ہوں اور اولاد کا خطرہ بھی پیدا نہ ہو۔ ہماری طرح چھاتی پر پتھر رکھئے اور سنئے وہ تدبیر! اور اس کے بعد دیوارِ حرم سے ٹکر مار کر سر پھوڑ کر مر جایئے۔ "صحیح" بخاری

کتاب البیوع۔ مطبوعہ مصر جلد دوم ص۳۱ پر یہ حدیث درج ہے :

ان ابا سعید الخدری اخبرہ انہ بینما ھو جالس عند رسول اللہ۔ قال یا رسول اللہ انا نصیب سبیاً فنحب الاثمان فکیف تری فی العزل. فقال او انکم تفعلون ذالک لا علیکم ان لا تفعلوا ذالکم فانھا لیست نسمۃ کتب اللہ ان تخرج الا ھی خارجۃ

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک روز جبکہ رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے تھے حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم قیدی عورتوں کے ساتھ جماع کرتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ حاملہ نہ ہوں کیونکہ ہم انھیں بیچنا چاہتے ہیں۔ تو عزل[1] کرنے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم ایسا کرتے ہو۔ تم پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جو بچہ پیدا ہونا اللہ نے مقرر کیا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا۔

ذرا سوچا بھی آپ نے کہ یہ نقشہ کس مجلس کا کھینچا گیا ہے؟ صحابہ کبارؓ استفسار کر رہے ہیں اور حضور نبی اکرمؐ جواب دے رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ خود ہی اندازہ فرما لیجئے کہ عجم کے منافقین نے کس کس طریق سے ہمیں تباہ و برباد کیا ہے۔ یہ ہے وہ تصویر جو انھوں نے آپ کے رسولِ مقبول اور ان کے صحابہ کبار کی کھینچ رکھی ہے۔ اور یہ تصویر آج اس کتاب میں موجود ہے جسے "ملا" قرآن کی مثل قرآن کے ساتھ کہہ کر پیش کرتا ہے۔ عزل سے متعلق مذکورہ بالا گفتگو محض نظری حیثیت سے نہیں ہو رہی بلکہ اسی بخاری (کتاب النکاح۔ باب العزل۔ جلد سوم ص۱۹۲) میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ

قال کنا نعزل علی عھد النبی والقران ینزل

ہم عہد نبوی میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوا کرتا تھا۔

یہ تھی وہ تدبیر جو (ملا کے مذہب کے مطابق) اس مقصد کے لئے اختیار کی جاتی تھی کہ لونڈیوں کو حمل نہ قرار پا جائے تاکہ اس طرح ان کی قیمت کم نہ ہونے پائے۔

اور اگر اس پر بھی حمل ہو جائے۔ یا وہ پہلے سے حاملہ ہو تو پھر مباشرت کی کیا صورت ہو؟ اس کے لئے اسی بخاری (جلد دوم ص۳۱) میں یہ حدیث بھی موجود ہے۔

لا بأس ان یصیب من جاریۃ الحامل ما دون الفرج

اس میں بھی حرج نہیں کہ اپنی حاملہ لونڈی سے شرمگاہ کے علاوہ دوسری جگہ سے مجامعت کر لی جائے۔

معاذ اللہ! معاذ اللہ!! یہ ہیں وہ "احادیث مقدسہ" جنھیں حضور ختمی مرتبتؐ کی ذات گرامی اور صحابہ کبارؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور نہیں سوچا جاتا کہ کل قیامت کو خدا اور اس کے رسول کے سامنے کیا جواب دینگے۔

یہ ہیں وہ روایات جن کا انکار کرنے سے ہمیں منکر حدیث قرار دیا جاتا ہے۔ ہم قارئین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ اس کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ان روایات کے متعلق تسلیم کریں کہ واقعی نبی اکرمؐ یا حضور کے صحابہ کی سچی احادیث ہیں؟

---

[1] عزل کے معنی ہیں مجامعت کے وقت رحم کے اندر انزال نہ ہونے دینا۔

یہ ہے مختصراً غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق مسلک اس نظام شریعت کا جسے محترم مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا، پاکستان میں نافذ کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ آپ سوچئے کہ اگر پاکستان میں وہ قوانین نافذ ہوگئے جنہیں یہ حضرات ''اسلامی قوانین'' قرار دیں، تو یہاں کس قسم کا معاشرہ قائم ہوگا اور دنیا کی دوسری قوموں میں آپ کی پوزیشن کیا قرار پائے گی؟ ہم یہ سوال اہل پاکستان سے کرنا چاہتے ہیں جو ذرا بھی پاکستان کی عزت کا خیال اور اسلام کا درد رکھتا ہے؛ اس بات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ طلوع اسلام جو ان باتوں کی مخالفت کرتا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے اور یہ حضرات جو اسے کافر اور بے دین قرار دیتے ہیں تو آخر کس جرم کی بنا پر ایسا کرتے ہیں! سوچئے کہ ان باتوں کا تعلق آپ سے بھی ہے۔ اس لئے کہ بالآخر آپ نے اور آپ کی آنے والی نسلوں نے بھی اسی ملک میں رہنا ہے:-

---

جائزہ

سابقہ صفحات میں دو اہم عنوان آپ کے سامنے آئے ہیں۔ ایک قتل مرتد، اور دوسرا، غلام اور لونڈیاں۔ یہ دونوں عنوان ایسے ہیں جن کا انسانی ہیئت اجتماعیہ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ان کے متعلق قرآن کریم کی واضح تعلیم بھی آپ کے سامنے آچکی ہے، اور ہمارا قدامت پرست مذہبی طبقہ جو کچھ کہتا ہے، وہ بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ آپ ان تصریحات پر غور فرمائیے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ جو کچھ شریعت کے نام سے ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے، وہ کبھی خدا کا فرمان اور اس کے سچے رسولؐ کا عمل ہو سکتا ہے؟ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ ان باتوں کی تائید ہماری کتب روایات سے ہوتی ہے، اس لئے یہ شریعت اسلامی کے عین مطابق ہیں۔ اس کے برعکس ہمارا موقف یہ ہے کہ

(۱) قرآن کریم خدا کی کتاب ہے اور حرفاً حرفاً اپنی اصلی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔

(۲) اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے۔

(۳) حضورؐ کا کوئی ارشاد یا عمل قرآن کریم کے خلاف ہو نہیں سکتا۔

(۴) کتب روایات، نبی اکرمؐ کی وفات کے دو تین سو سال بعد، لوگوں کی انفرادی کوششوں سے مرتب ہوئیں۔ اور وہ بھی کسی سابقہ تحریری ریکارڈ سے نہیں بلکہ زبانی روایات سے، اسلئے ان مجموعوں میں صحیح اور غلط، ہر قسم کی روایات جمع ہوگئیں۔ اب ہمارے پاس صحیح کو غلط سے الگ کرنے کا معیار یہ ہے کہ ان میں جو روایت قرآن کریم کے خلاف ہو اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ حضورؐ کی طرف غلط منسوب ہوگئی ہے۔

لیکن ہمارے قدامت پرست طبقہ کا اصرار ہے کہ ان کتب روایات میں جو کچھ آچکا ہے، اسے وحی منزل من اللہ کی طرح صحیح تسلیم کیا جائے۔ جو یہ کہے کہ ان میں وضعی روایات بھی ہیں وہ ''منکر حدیث ہے'' اور منکر شان رسالت یعنی اگر کوئی ایسی روایت ہے جو قرآن کے خلاف ہے۔ یا اس سے نبی اکرمؐ کی ذات اقدس کے خلاف کوئی طعن پڑتا ہے، اس کے متعلق جو شخص یہ کہے کہ یہ نبی اکرمؐ کی حدیث نہیں ہو سکتی، وہ تو منکر شان رسالت ہے، اور جو اصرار کرے کہ وہ رسولؐ اللہ ہی کی ہے، وہ ان کے

نزدیک شانِ رسالت کا ماننے والا ہے ہمارے نزدیک یہ رسول اللہؐ کی شان اقدس سے بہت بعید ہے کہ حضورؐ ایسا ارشاد فرمائیں کہ جنگ میں دشمن کی جو عورتیں تمہارے ہاتھ آئیں، انہیں استعمال کرو اور جب جی چاہے انہیں دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دو۔ اور ہمارے "علمائے کرام" کا ارشاد ہے کہ نہیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حضورؐ کا فیصلہ ہے اگر تم ایسا نہیں مانتے تو منکرِ حدیث اور منکرِ ناموسِ رسالتؐ ہو۔

ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ اس باب میں کس کا مسلک صحیح ہے، اور اگر ہم دنیا سے کہیں کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ تو دنیا اس اسلام کے متعلق کیا کہے گی؟ والسلام۔